فلاحِ انسانیت-سیرت طیبہ کی روشنی میں

سید عزیز الرحمٰن

نائب مدیر ششماہی ''السیرۃ'' عالمی' کراچی

اسلام کو دین فطرت کہا جاتا ہے' یہ اسے کسی انسان کی جانب سے دیا ہوا لقب نہیں ہے' خود قرآن کریم اسے دین فطرت کہتا ہے-ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ط لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ''o(۱)

(پس (اے نبی ﷺ) آپ یکسو ہوکر اپنا رخ اسی دین حنیف (دین اسلام) کی جانب کرلیں (یعنی) اللہ کی فطرت کی طرف' جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا' اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی' یہی سیدھا دین ہے' لیکن اکثر لوگ اس (حقیقت) سے واقف نہیں)

اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ دنیا میں آنے والا ہر بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے' اور بعد میں اس میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا تعلق انسانوں سے ہوتا ہے-حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کل مولو دیو لدعلی الفطرۃ' فابواہ یھو دانہ او ینصرانہ''(۲)

(ہر نومولود فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے' پس اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بناتے ہیں)

لہٰذا اگر انسانیت کی فلاح و کامرانی کیلئے کوئی نظام قابل قبول اور قابل عمل ہوگا تو صرف وہی نظام ہوگا جو اسلام پیش کرے گا اور جو تعلیمات نبوی ﷺ سے ماخوذ و مستنبط ہوگا-حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے پیش کردہ نظام حیات کی جامعیت اور عملی طور پر سب سے زیادہ مؤثر ہونے میں کسی انصاف پسند شخص کو کلام نہیں ہوسکتا' کیونکہ اس نظام کا تعلق ایسی ذات سے ہے جو انسان کی خالق بھی ہے اور اس کی فطرت کے حقائق سے واقف بھی' اس کے علاوہ باقی جو نظام بھی ہوں اس کی تمام خوبیوں سے قطع نظر اس کا ایک یہ پہلو ہی اسے ناقابل اعتبار ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ وہ انسان کا خود ساختہ ہے-سو اس کا خدا تعالیٰ کے عطا فرمودہ نظام سے کیا مقابلہ؟ ذیل کی سطور میں فلاح انسانیت کے سلسلے میں آپ ﷺ کی تعلیمات اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اسلام کے پیش کردہ طریقہ کار کے بارے میں چند باتیں عرض کی جائیں گی! واللہ ہو الموفق-

انسانیت

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہے کہ عنوان زیر بحث کے دو اہم پہلوؤں ''انسانیت'' اور

''فلاح'' کا لغوی اعتبار سے جائزہ لیا جائے۔

انسان، بشر یعنی آدمی کو کہتے ہیں، خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور اس کا اطلاق پوری جنس بشریت پر ہوتا ہے۔(۳) لفظ انسان اصل میں اِنْسِیَانُ' سے ہے۔ جیسا کہ اس کی تصغیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو ''اُنَسَیَان'' آتی ہے۔(۴) انسان کو انسان اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی تخلیق کچھ اس قسم کی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ربط و تعلق کے بغیر اس کے وجود کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ انسانی مدنی الطبع ہے۔(۵) اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی اصل افعلان کے وزن پر النسان ہے اور اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کہ اس سے ایک عہد (عہد الست) لیا گیا تھا جو وہ بھول گیا۔(٦)

اسی طرح لفظ انسانیت انسان کی جانب منسوب ہے۔ یہ انسانی خصوصیات کو کہتے ہیں اور اس کا استعمال اکثر اخلاق حسنہ کیلئے ہوتا ہے جیسے جوانمردی، حسن اخلاق وغیرہ۔(۷) قرآن کریم میں بھی لفظ انسان کئی مقام پر استعمال ہوا ہے۔(۸) مثلاً فرمایا ''وکان الانسان عجولا'' ٥(۹) اور فرمایا ''وکان الانسان اکثر شئی جدلا'' ٥(۱۰) انسان کی جمع الناس آتی ہے۔(۱۱) یہ بھی قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر آیا ہے۔(۱۲)

فلاح

عنوان کا دوسرا اہم جزء فلاح ہے۔ الفلح والفلاح فوز نجات اور نعمتوں اور بھلائی کی بقا کا نام ہے۔(۱۳) امام راغب اصفہانیؒ کے بقول فلاح کامیابی اور مطلوب و مقصود پانے کو کہتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔(۱) دنیاوی فلاح۔(۲) اخروی فلاح۔

دنیاوی فلاح ان امور کے حصول کا نام ہے جن سے دنیاوی زندگی بہ خوشی گزرتی ہے۔ مثلاً غنا اور عزت وغیرہ۔ اور اخروی فلاح کا مظہر چار چیزیں ہیں۔(۱) ہمیشہ ہمیشہ کی بقا۔(۲) فقر سے پاک غنا۔(۳) ذلت سے محفوظ عزت اور (۴) جہالت سے ممیّز علم۔(۱۴)

اور علامہ زبیدی فلاح کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''لیس فی کلام العرب کلمۃ جمع من لفظۃ الفلاح لخیری الدنیا والاخرۃ''(۱۵)

(کلام عرب میں لفظ فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ زیادہ جامع نہیں ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی خیر و برکت کا حامل ہو۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''لاعیش الاعیش الآخرۃ''(۱٦)

قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا:

''وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ''o(۱۷)

(اور اصل زندگی تو آخرت کے گھر کی ہے کاش یہ لوگ سمجھتے)

اور ازھری کے بقول اہل جنت کو ''مفلحون'' (۱۸) یعنی کامیاب اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ وہ ابدالاباد تک جنت میں قیام کے اعزاز سے سرفراز کئے جائیں گے۔(۱۹)

احادیث میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ابوالدحداحؓ سے روایت ہے۔ آپﷺ نے فرمایا:

''بشرک اللہ بخیر وفلح'' (۲۰) (حضورﷺ فلاح کی جانب بلاتے اور فرماتے تھے:

''قولو الا الٰہ الا اللہ تفلحوا'' (۲۱)

یعنی دنیاوی خداؤں کے جال سے نکل کر آسمانی اور حقیقی مالک کے سایہ رحمت میں آجاؤ اور شرک کے بحر ظلمات سے نکل کر توحید کی برکتوں سے فیض یاب ہوجاؤ۔ یہی حقیقی کامیابی ہے اور اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح مضمر ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہتا ہے۔ اس کی نظر میں انسانی زندگی کے یہ دونوں پہلو برابر کی اہمیت رکھتے ہیں۔ نتیجۃً وہ دونوں کو ان کی اہمیت کے مطابق اور انسانی ضرورت کے بہ قدر اپنی توجہ کا مستحق قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم نے انسان کو ایک دعا بھی تلقین کی ہے جو ان دونوں پہلوؤں کا بخوبی احاطہ کرتی ہے:

''رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' (۲۲)

(اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی نصیب فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما)

اور آپﷺ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ آپﷺ کثرت سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے (۲۳)

فلاح کا قرآنی تصور

قرآن کریم نے فلاح و کامرانی کا واضح تصور پیش فرمایا ہے اور متعدد مقامات پر کامیاب و کامران افراد کی صفات بیان کی ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق صرف وہی لوگ کامیاب ہیں جن کی اخروی زندگی کامیاب ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ o'' (۲۴)

(یقیناً ایمان والے کامیاب ہو گئے (یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے

ہیں اور جو بے کار (بے ہودہ) باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جو زکوۃ (پابندی کے ساتھ) ادا کرتے رہتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں)

ان آیات میں صرف ان ایمان والوں کو کامیاب قرار دیا گیا ہے جن میں یہ چار صفات حسنہ موجود ہوں:

۱- جو خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں۔
۲- لغو، بے کار اور بے ہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور ان سے مکمل طور پر کنارہ کش رہتے ہیں۔
۳- زکوٰۃ کے فریضے کی ادائیگی پابندی سے کرتے ہیں۔
۴- اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پر کامیاب لوگوں کی یہ صفت بیان فرمائی:

''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى'' ۝ (۲۵)

(بلاشبہ وہی بامراد ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا)

فلاح انسانیت کیلئے مذہب کی ضرورت

فلاح انسانیت کا خوشنما عنوان اس وقت تک محض دعویٰ ہی رہے گا جب تک مذہب کی رہنمائی حاصل کر کے اس کے حصول کیلئے عملی اقدامات نہ کیے جائیں۔ ان اقدامات کیلئے ضروری ہے کہ وہ مذہب کی روشنی میں کیے جائیں۔ اگر فلاح کیلئے کوئی خود ساختہ نظام وضع کر کے انسانیت پر جبراً اس کا نفاذ کیا جائے گا تو اس سے مزید خرابی و تباہی کا تو امکان ہے فلاح کا کوئی تصور ممکن نہیں۔ اسلامی تعلیمات اور غیر مسلم مفکرین میں یہ بنیادی فرق ہے۔ مغرب اور غیر مسلم مفکرین کی اکثریت مذہب کے اس فعال اور متحرک کردار کی قائل نہیں۔ کارل مارکس نے تو مذہب کو افیون قرار دے ڈالا۔ (۲۶) اس کے اس فلسفے کو مخصوص حلقے میں خوب پذیرائی ملی۔ حالانکہ ایک اور غیر مسلم فلسفی برٹینڈ رسل (Bertrand Russell) نے اس کے فلسفے پر یوں تبصرہ کیا ہے:

''مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مارکس کے فلسفے کے وہ اجزا جو ہیگل سے ماخوذ ہیں وہ بالکل غیر سائنسی ہیں اور ان کو درست تصور کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ مارکس میں بحیثیت فلسفی بہت سی کمزوریاں اور خامیاں ہیں'' (۲۷)

یہ کسی مخصوص طبقہ فکر کا خیال نہیں۔ یورپ کی خدا و مذہب آزاد فضا میں پروان چڑھنے والے اکثر دانشوروں کا یہی انداز فکر ہے جولین ہکسلے مذہب کی اہمیت و افادیت کی بابت اپنے خیالات یوں

ظاہر کرتا ہے:

''خدا کا تصور اپنی افادیت کی انتہاؤں کو چھو رہا ہے-اب اس میں مزید ترقی ممکن نہیں رہی ہے-مافوق الفطرت طاقتور کا تصور انسان نے مذہب کا بوجھ اٹھانے کیلئے تراشا تھا-(اس کے نتیجے میں) پہلے جادو آیا پھر روحانی تصرفات کا دور آیا-پھر دیوتاؤں کا عقیدہ پیدا ہوا-اس کے بعد ایک خدا کا تصور ابھر-ان ارتقائی مراحل سے گزر کر اب مذہب اپنی انتہا کو پہنچ کر ختم ہو چکا ہے-کسی وقت یہ خدا ہماری تہذیب کے ضروری مفروضے اور تخیلات تھے لیکن اب جدید ترقی یافتہ دور میں ان کی افادیت ختم ہو چکی ہے(۲۸)

اسی قسم کے خیالات ایک امریکی پروفیسر نے ان الفاظ میں ظاہر کیے ہیں:

''سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مذہب تاریخ کا سب سے زیادہ دردناک اور بدترین ڈھونگ تھا-(۲۹)

لیکن اس کے ساتھ خود مغرب ہی سے ایسی آوازیں بھی بلند ہوتی ہیں جو اس تصور کی تردید کرتی اور لادینیت کے اس سیلاب سے خطرہ محسوس کرتی ہیں اور یہ جانتی ہیں کہ اصل خرابی مذہب کا اثبات کرنے اور اسے ماننے میں نہیں-اس کے افکار او ر ادا میں ہے-انہی میں سے ایک آواز پروفیسر ولیم کونولی (William-e-Connolly) کی ہے-وہ کہتے ہیں:

The whole Project of modernity, despite its stunning sLccess, is highly problematic. This is because all attempts to fill the place which god was forled to vacate at the start of the project with reason, with the general will, the dialectic of history have been of no avail, and ealh hag ended up in one kind of nihilism or another (William E connolly/Political theory andmodernity/London.1988.)

اس کے برعکس اسلام فلاح انسانیت کے ضمن میں مذہب کے پوری طرح متحرک اور فعال ہونے کا مکمل ثبوت فراہم کرتا ہے-اس کے نزدیک اللہ تعالی کی پیدا کردہ تمام نعمتیں انسان کیلئے ہی ہیں-قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

''هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ط ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ج وَهُوَبِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌo''(۳۰)

(وہ (اللہ تعالیٰ) وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے جو زمین میں ہے- پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا- سو اس نے سات آسمان بنا دیے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے)

قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ اخروی اعتبار سے (جو ایک مومن کے نقطہ نظر سے اصل مقصود ہے) صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو اس دنیا میں خیر و بھلائی کے پیامبر کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے اور جن کا دامن فساد اور بگاڑ کی سازشوں سے آلودہ نہیں ہوگا- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تِلْکَ الدَّارُالْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَالِلَّذِیْنَ لَایُرِیْدُوْنَ عُلُوًّافِی الْاَرْضِ وَلَافَسَادًا ؕ وَھُوَبِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ''o(۳۱)

(یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو (دنیاوی زندگی میں) زمین پر اپنی بڑائی (تکبر) اور فساد نہیں چاہتے اور (اچھا) انجام تو خدا کا خوف رکھنے والوں (متقیوں) کا ہی ہے)

مقام انسانیت- اسلام کی نظر میں

فلاح انسانیت کے سلسلے میں اسلام کے اقدامات بیان کرنے سے پہلے دیکھئے کہ اسلام نے انسان کو کیا مقام عطا کیا ہے؟ اسلام نے انسانیت کو بڑا ارفع و اعلیٰ مقام عطا کیا ہے- چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیات اور متعدد احادیث نبویہ اس کا بیان کر رہی ہیں- قرآن کریم انسانی تخلیق کی بابت بیان کرتا ہے:

''لَقَدْخَلَقْنَاالْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍo''(۳۲)

(بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین تناسب پر تخلیق کیا ہے)

اسلام کے نزدیک انسان کی یہ قدر و منزلت ہے کہ اس کے مطابق ایک انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کا قتل ہے- ارشاد ہے:

''مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَاعَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًابِغَیْرِنَفْسٍ اَوْفَسَادٍفِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَاقَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاھَافَکَاَنَّمَااَحْیَاءَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ''(۳۳)

(اور اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرمان لکھ دیا کہ جو شخص کسی انسان کو مار ڈالے بغیر کسی جان کے بدلے یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے کسی کو بچا لیا تو گویا اس نے سب کو بچا لیا)

اس کی تشریح میں طبری سے منقول ہے کہ:

"ان المرادبذلک تعظیم العقوبۃوشدۃالوعیدمن حیث ان قتل الواحدوقتل الجمیع سواء فی استیجاب غضب اللہ وعذابہ"(۳۴)

(یہاں آیت میں عقوبت کی عظمت اور وعید کی شدت مراد ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک انسان کا ناحق قتل اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کو اسی طرح حرکت میں لے آتا ہے جس طرح تمام انسانو کا قتل)

حضوراکرم ﷺ نے بھی قتل ناحق کو سخت ترین جرم قرار دیا ہے-ایک روایت میں کبیرہ گناہوں میں اسے دوسرے نمبر پر بیان فرمایا ہے-فرمایا:

"کبیرہ گناہوں میں سے بھی سب سے بڑا گناہ (۱) اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا (۲) قتل نفس (۳) والدین کی نافرمانی اور (۴) جھوٹی گواہی ہیں-(۳۵)

آنحضور ﷺ نے ناحق قتل کی خواہش رکھنے والے شخص کو تین مبغوض ترین اشخاص میں سے ایک قرار دیا ہے-فرمایا:

"ابغض الناس ثلاثۃ'ملحدفی الحرم'ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ ومطلب دم امرء بغیرحق لیھریق دمہ"(۳۶)

(مبغوض ترین افراد تین ہیں (۱) حرم میں الحاد کا ارتکاب کرنے والا (۲) اسلام میں جاہلیت کے طریقوں کو رواج دینے والا (۳) اور کسی کے ناحق خون کرنے کا خواہش مند تاکہ وہ اس کا خون بہائے)

آپ ﷺ کی تعلیمات یہ بتاتی ہیں کہ جس شخص میں شر وفساد کی صفت پائی جائے اسے کسی بھی اعتبار سے بہتر انسان قرار نہیں دیا جاسکتا-ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس سے لوگ خیر کی توقع رکھتے ہوں اور اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ پاتے ہوں اور تم میں سے سب سے بدتر وہ ہے جس سے لوگ خیر کی کوئی توقع نہ رکھتے ہوں اور نہ اس کے شر سے اپنے آپ کو مامون تصور کرتے ہوں"(۳۷)

یہ ہے اسلام کا انسان کو عطا کردہ معیار انسانیت اور مقام انسانیت' جس میں انسان کے اچھے اور برے ہونے کا مدار ہی اس کے پوری انسانیت کیلئے مفید یا مضر ہونے پر ہے اور جس میں ایک انسانی جان کا اتلاف پوری کائنات کے تلف کرنے کے برابر قرار دیا گیا ہے-یہی وہ معیار ہے جس کی بناء پر قرآن کریم نے فتنے کو قتل سے زیادہ شدید فرمایا:

''والفتنۃ اکبر من القتل'' (۳۸) (اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے)

فلاحِ انسانیت

اوپر بیان ہونے والی تفصیل سے معلوم ہو گیا ہے کہ فلاح کا لفظ بہت جامعیت رکھتا ہے اور اس کے مفہوم میں دنیا و آخرت کی ہر طرح کی کامیابی و کامرانی شامل ہے۔ اب اس امر پر غور کرنا ہے کہ اسلام انسانیت کی ہمہ جہت گیر کامیابی و فلاح کیلئے کیا نظام پیش کرتا ہے اور کس طرح سے انسانیت کو اس کی فلاح کے راستوں اور پہلوؤں سے روشناس کراتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ فلاحِ انسانیت کیلئے اسلام ایک مکمل نظام رکھتا ہے بلکہ اسلام کا پیغام اور اس کی بنیادی دعوت فلاح ہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی دعوت کا بنیادی نکتہ بھی یہی تھا۔

''قولوا لاالہ الا اللہ تفلحو'' (۲۱) (لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے)

اسلام کے پیش کردہ نظام کا ایک ایک نکتہ فلاح عالم کا ضامن اور ایک ایک جز کامیابی و کامرانی کا راز ہے۔ اس کے چیدہ چیدہ نکات پر ذیل میں روشنی ڈالی جائے گی اور فلاح کے دونوں پہلوؤں (دنیا و آخرت) کا ربط و تعلق واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اخلاقی تربیت

انسانوں کی اخلاقی تربیت کرنا اسلام کا خاص موضوع ہے۔ اسلام فرد کو اخلاق حسنہ سے مزین و آراستہ کر کے انسانیت کو اس کے شر و بدی سے محفوظ کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس پہلو سے بھی قیمتی تعلیمات پیش کی ہیں۔ درحقیقت دیکھا جائے تو اس میں بھی فلاح کے دونوں دنیاوی اور اخروی پہلو موجود ہیں۔ اخلاقی تربیت یافتہ فرد جہاں دنیا میں پوری انسانیت کیلئے مفید ثابت ہوتا ہے جس سے پوری کائنات فائدہ اٹھاتی ہے وہیں وہ مضرتوں سے اپنے آپ کو بچا کر اور انسانیت کے کام آ کر اپنے لئے ہمیشہ ہمیشہ کام آنے والا ذخیرہ فلاح و برکت بھی سمیٹتا ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ خلق انسانی جبلت و فطرت کا نام ہے اور اس کے اعتبار سے انسانوں کے درجات باہم متفاوت ہیں، سو اگر کسی شخص میں کوئی اچھی صفت غالب حالت میں موجود ہے تو یہ اچھی بات ہے اور امر محمود ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ شخص (من جانب اللہ) اس پر مامور ہے کہ وہ اپنے اندر اس صفت کو بیدار کرے۔ اسی طرح اگر یہ صفت موجود تو ہے مگر کمزور ہے تب بھی اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے قوی اور مضبوط کرے۔ (۴۰)

اور امام غزالیؒ خلق کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''خلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے جس کے سبب سے افعال و اعمال سہولت

اور آسانی کے ساتھ صادر ہونے لگتے ہیں اور اس کیلئے انسان کو سوچ و بچار اور کسی تردد کی ضرورت نہیں ہوتی'' (۴۱)

آنحضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کا اہم مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل تھا۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا:

''بعثت لاتمم حسن الاخلاق'' (۴۲)

(میں حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں)

اور دوسری روایت میں حصر کے ساتھ فرمایا:

''انمابعثت لاتمم صالح الاخلاق'' (۴۳)

(مجھے تو خاص نیک اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہے)

ہادی برحق اعظم ﷺ کی یہ دعا بھی ہمارے لئے رہنمائے عمل ہے:

''اللّٰھم احسنت خلقی فحسن خلقی'' (۴۴)

(اے اللہ جیسے تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی بہتر بنا دے)

حسن خلق ہی سے متعلق آپ ﷺ سے یہ دعا بھی منقول ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''واھدنی لاحسن الاخلاق لایھدی لاحسنھاالاانت وصرف عن سیئھا لایصرف عن سیئھاالاانت'' (۴۵)

(اور اے میرے رب میری اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی حسن اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا اور مجھ سے برے اخلاق کو پھیر دے انہیں تیرے سوا مجھ سے کوئی نہیں پھیر سکتا)

حضرت عائشہؓ سے جب خلق نبوی ﷺ کی بابت استفسار کیا گیا تو انہوں نے سوالیہ اسلوب میں فرمایا:

''الست تقرأ القرآن؟'' (کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟)

پھر فرمایا:

''فان خلق رسول اللہ ﷺ القرآن'' (۴۶)

(بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہی تو ہے)

حضرت انسؓ نے بھی فرمایا:

''کان رسول اللہ احسن الناس خلقا'' (۴۷)

(رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ خلق کے مالک تھے)

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں آپ ﷺ کے خلق عظیم کی تصدیق فرمائی اور آپ کو یہ اعزاز عطا فرمایا:

''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ''(۴۸)

(اور بلاشبہ آپ ﷺ خلق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں)

اس آیت مبارکہ میں لفظ علی کا استعمال استعلا کیلئے ہے اور مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ اخلاق کریمانہ پر مکمل طور پر عمل پیرا ہیں اور ان کے بلند مراتب پر فائز و مستولی ہیں۔(۴۹)

آپ ﷺ نے تو تکمیل ایمان تک کو حسن اخلاق پر منحصر قرار دیا۔فرمایا:

''اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا''(۵۰)

مومنوں میں کمال ایمان کے لحاظ سے سب سے برتر وہ شخص ہے جو ان میں زیادہ حسن خلق رکھتا ہے۔عام رائے میں انسان کے خدارسیدہ، عبادت گزار اور دین دار ہونے کا مدار عموماً نماز روزے پر ہوتا ہے لیکن نبی برحق ہادی اعظم ﷺ کی نظر میں اخلاقی تربیت کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس فرمان مبارک سے لگائیے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''ان الرجل لیدرک بحسن خلقه درجة قائم اللیل وصائم النهار''(۵۱)

(بلاشبہ انسان اپنے اچھے اخلاق کے ذریعے رات بھر نماز پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ پا سکتا ہے)

اور مسلمان کی آخری منزل بلکہ حقیقی منزل آخرت میں حضور اکرم ﷺ سے قریب ترین درجہ بھی خوش خلقی کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔فرمایا:

''ان احبکم الی و اقربکم منی فی الاخرة محاسنکم اخلاقا و ان ابغضکم الی و ابعدکم منی فی الاخرة اساویکم اخلاقا''(۵۲)

(تم میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور آخرت میں نشست کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو تم میں زیادہ خوش اخلاق ہوگا اور تم میں سے میرے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ اور آخرت میں مجھ سے زیادہ دور وہ شخص ہوگا جو تم میں سے سب سے زیادہ بد اخلاق ہوگا)

یہ تمام روایات اور آنحضرت ﷺ کے اقوال آپ ﷺ کی نظر میں اخلاقی تربیت کی اہمیت کے بیان کیلئے کافی ہیں۔آپ ﷺ نے ان اقوال پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اسلامی اخلاقیات کا پورا

نظامِ انسانیت کو فراہم کیا ہے جو آزمودہ بھی ہے اور ہر اعتبار سے کامیاب بھی لیکن یہ مختصر سے صفحات ان کے اجمالی بیان کیلئے بھی کافی نہیں ہو سکتے۔تفصیل کیلئے بڑی کتب خصوصاً کتب حدیث کی جانب رجوع کیا جا سکتا ہے۔

روحانی واعتقادی تربیت

انسان کا جب تک عقیدہ درست نہ ہو وہ اپنی حقیقت سے ناواقف ہوا سے یہ خبر نہ ہو کہ اسے دنیا میں کس نے بھیجا؟ کیوں بھیجا؟ اور اس کا وظیفہ حیات کیا ہے؟ اس وقت تک وہ اپنے روزمرہ کے فرائض کامیابی کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا اور اس سے قدم قدم پر کوتاہی ولغزش کا صدور امکانی نہیں یقینی اور لازمی ہے۔اسی طرح جب تک اس کی روحانی تربیت نہ ہو جو رنگ وبو کی مادہ پرست دنیا سے اس کی سوچ وفکر بلند کر کے اس کے اصل مقصد حیات کی جانب اس کی توجہ مبذول کرائے اور اس کے منصب حقیقی تک اس کی رہنمائی کرے اس وقت تک بھی انسان اپنے فرائض منصبی سے بحسن وخوبی عہدہ برا نہیں ہو سکتا اور نتیجۃً اس عالم آب وگل کا فساد وتضاد میں مبتلا ہونا لازمی امر ہے جیسا کہ مشاہدہ بھی یہی ہے۔ان ممکنہ خرابیوں کے تدارک کیلئے اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو روحانی واعتقادی تربیت کا بھی مکمل نظام عطا فرمایا ہے جو کہ فلاح انسانیت ہی کے ذیل میں آتا ہے۔یہ طریقہ کار اسلام کی خصوصیات میں سے ایک ہے ورنہ مغرب نے تو عقیدے اور روحانی تربیت کے عنصر کو زندگی کی ضروریات سے ہی خارج قرار دے دیا ہے۔مغرب کے آئمہ مادیت روح کی حقیقت سے ناواقف ہونے کے سبب اس کے وجود ہی کے منکر ہو چکے ہیں۔ان کے فلسفے نے جسم پر اس قدر توجہ مرکوز کی کہ اس کے بوجھ تلے روح کچلی گئی۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس فلسفے کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی نسل انسانی پہلے عقیدہ توحید سے پھر روحانی تربیت کی ضرورت اہمیت سے اور بالآخر ہر طرح کی اخلاقی حدود وقیود سے آزاد ہوتی چلی گئی اور رفتہ رفتہ ان ہولناک لغزشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا معاشرہ جفاکار وہوس ناک ہو گیا۔نفسانی لذائذ مطمع نظر قرار پائے اور جسمانی فوائد کے حصول کو ''معراج انسانیت'' تصور کر لیا گیا۔اس سانحے کی بھیانک تصویر کشی وہ اعداد وشمار کرتے ہیں جو آئے دن مغرب کے حوالے سے اخبارات ودیگر ذرائع ابلاغ کی زینت بنتے رہتے ہیں۔چند برس پہلے کے اعداد وشمار ملاحظہ کیجئے:

نمبر شمار	نوعیت جرائم	۱۹۷۵ء	۱۹۸۰ء	۱۹۸۵ء	۱۹۹۰ء	۱۹۹۲ء	۱۹۹۳ء
۱۔	سنگین جرائم	۱۰۳۹۷۱۰	۱۳۴۴۵۲۰	۱۳۲۸۸۰۰	۱۸۲۰۱۲۳	۱۹۳۲۲۷۰	۱۹۲۱۹۰
۲۔	قتل	۲۰۵۱۰	۲۳۰۴۰	۱۸۹۸۰	۲۳۴۴۰	۲۳۷۶۰	۲۴۵۳۰
۳۔	زنا بالجبر	۵۶۰۶۹۰	۸۲۹۹۰	۸۸۶۷۰	۱۰۲۵۶۰	۱۰۹۰۶۰	۱۰۴۸۱۰

۴-	راہزنی	۴۷۰۵۰۰	۵۷۵۸۴۰	۴۹۷۸۷۰	۶۳۹۲۷۰	۶۷۲۴۸۰	۶۵۹۷۶۰
۵-	جائیداد سے متعلقہ جرائم	۱۰۲۵۲۷۰۰	۱۲۰۶۳۷۰۰	۱۲۰۲۶۰۰	۱۲۶۵۵۵۰۰	۱۲۵۰۵۹۰۰	۱۴۱۴۱۰۰۰

(۵۳)

اوہیو یونیورسٹی امریکہ Oho State University کا ماہر عمرانیات پروفیسر جیمز ڈبلیو وینڈرز ینڈن ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں عائلی نظام پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے- اس کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں:

۱- ۱۶ برس کی عمر سے زیادہ ملازمت کرنے والی خواتین ۵۴ء۷ (۱۹۸۴ء میں

۲- اٹھارہ سال سے کم بچوں کی تعداد جن کی مائیں ملازمت کرتی ہیں تین کروڑ بیس لاکھ بچے

۳- ۱۰ سال سے کم عمر کے بچے جو اسکول کے وقت کے بعد گھر میں والدین ۵۰ لاکھ بچے کے بغیر وقت گزارتے ہیں:

۴- خواتین پر ہر سال تشدد کے واقعات: ۱۰ لاکھ ۶۰ ہزار خواتین

۵- بچوں پر ہر سال تشدد کے واقعات ۱۰ لاکھ ۵۰ ہزار بچے (۵۴)

ایک جائزے کے مطابق امریکہ میں اس وقت ۲۵۰۰ کمپنیاں ڈے کیئر سینٹر چلا رہی ہیں- ان مراکز میں ایک بچے کی نگہداشت کا خرچ جو والدین سالانہ ادا کرتے ہیں تین ہزار ڈالر ہے-

یہ وہ حالات ہیں جو انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں کے گھروں کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اعتقادی و روحانی تربیت کی ضرورت بھی- ان خرابیوں کی سب سے پہلی وجہ ان کی جانب سے عقیدہ توحید کا انکار ہے- انسان جب تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار نہیں کرتا اور جملہ صفات کے ساتھ اسے اپنا پروردگار تسلیم نہیں کرتا اس وقت تک ذہنی، علمی اور عملی دنیا میں مسلسل بھٹکنا اور در در کی خاک چھاننا اس کا مقدر رہے گا- اب تک کا تجربہ بھی یہی کہتا ہے اور مشاہدہ بھی- توحید باری کے اقرار کا فلاح انسانیت کے ساتھ براہ راست تعلق ہے- فلاح کے اخروی پہلو کے ساتھ تو یہ تعلق واضح ہے کہ انسان کے جنت میں داخل ہونے کی ان شرط یہی ہے- حدیث مبارک میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''من قال لاالہ الا اللہ دخل الجنۃ'' (۵۵)

(جس نے لاالہ الا اللہ کا اقرار کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا)

یعنی داخل ہونے کا حقدار بن گیا اور ایک مسلمان کی حیثیت سے اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوگی؟ اور فلاح کے دوسرے یعنی دنیاوی پہلو کے اعتبار سے بھی توحید کا مقام بلند اور اس

کی ضرورت مسلم ہے کہ توحید اللہ تعالیٰ کی ذات سے انسان کے تعلق کے استوار ہونے کا نام ہے۔ اس کے بعد ہی انسانی قوتیں اپنے اصل اور فطری رنگ میں سامنے آتی ہیں اور انسانی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ دوسری جانب توحید انسانیت کو مساوات اور حریت کا پیغام دیتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کو ایک ماننے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس ذات باری کو حاکم اعلیٰ تسلیم کر رہا ہے اور جب ایک بار اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم کر لی جائے تو پھر باقی ہر طرح کی محکومیت سے انسان آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کسی دوسرے انسان کا محکوم نہیں رہ سکتا اور اس حقیقت سے تو کوئی انکار نہیں کرے گا کہ دنیا میں فلاح کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ وہ ظلم و تعدی اور جور و ستم ہے جس کی ذمہ دار انسانوں کی قائم کردہ چھوٹی چھوٹی حاکمیتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ تمام امتیازات و اختلافات ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کی نظر میں سب برابر ہیں اور تقوے کے علاوہ اور کوئی ''معیار فضیلت'' نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ:

''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقٰکُمْ'' (۵۶)

بلاشبہ اللہ کے کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو)

اعتقاد کے درست ہونے کے بعد روحانی و اخلاقی تربیت کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ اگرچہ شخصی وصف ہے لیکن معاشرے سے براہ راست تعلق ہے کیونکہ کوئی بھی معاشرہ بذاتہ کوئی الگ وجود نہیں رکھتا وہ افراد ہی کے مجموعے سے مرکب ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی جانب بھرپور توجہ مرکوز فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہے تو تمام جسم درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ سن لو! وہ دل ہے''۔

آپ ﷺ نے نفس پر قابو پانے کو جہاد اکبر قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''المجاھد من جاھد نفسہ'' (۵۷) (مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے)

درحقیقت پوری دنیا کا نظام دل کے ہاتھوں محصور ہے جب تک دل کا نظام درست نہج پر استوار نہیں ہوتا اس وقت تک دنیا کے نظام کا درست و صحیح راہ پر گامزن ہونا محال ہے۔

تعلیم

روحانی، اخلاقی اور اعتقادی تربیت کے بعد سب سے اہم مرحلہ تعلیم کا ہے جو اصل میں اسی تربیت کا ایک تسلسل ہے۔ آپ ﷺ نے حصول تعلیم پر بھی بہت زور دیا ہے۔ علم کا حصول تخلیق انسانی

کا ایک اہم جز ہے- یہی وہ جوہر ہے جس کی بنا پر انسان کو نوری مخلوق فرشتوں پر بھی فضیلت عطا ہوئی. قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالی ہے:

''وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْھَامَنْ یُّفْسِدُفِیْھَاوَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَاتَعْلَمُوْنَ٥وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰئِکَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَاءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ٥'' (۵۸)

(اور (اے محمد ﷺ وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں- انہوں نے (فرشتوں نے) کہا کہ کیا اس (زمین) میں ایسے شخص کو (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد و خونریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور حمد بھی کرتے ہیں- اللہ نے فرمایا بیشک (ان اسرار کو) میں جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے اور اس (اللہ تعالی) نے آدم کو تمام (چیزوں کے) نام سکھا دیے- پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو مجھے ان سب چیزوں کی نام بتاؤ)

ان آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ علم انسان کے خمیر ہی میں ڈال دیا گیا تھا اور اللہ تعالی نے ابتدا ہی سے اسے وہ صلاحتیں ودیعت فرمائی تھیں جن کے بل پر اس کو دائمی فضیلت اور دوسری تمام مخلوقات پر اس کی مکمل حاکمیت قائم ہو سکتی ہے-

علم کی اہمیت کو مزید واضح کرتے ہوئے اللہ تعالی نے مزید فرمایا:

''وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَالِلنَّاسِ ج وَمَایَعْقِلُھَااِلَّا الْعٰلِمُوْنَ٥'' (۵۹)

(اور یہ مثالیں جن کو ہم لوگوں کے (سمجھانے) کیلئے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم رکھتے ہیں)

اس آیت مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہر طرح کی خیر و بھلائی کی طرف وہی شخص لپکتا اور اس کو قبول کرتا ہے جو علم و آگہی کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور جس کا ضمیر اپنے پروردگار کی عطا کردہ معرفت کی روشنی سے منور ہوتا ہے-

تعلیم کے بنیادی تصورات کے حوالے سے بھی اسلامی اور مغربی نظریات باہم ٹکراتے ہوئے نظر آتے ہیں- اسلام تو علم کو بہت وقیع تصور دیتا ہے اور اسے فلاح دارین کی کلید بتاتا ہے- امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

''ليس العلم بكثرة الروايات انما العلم نور يجعله الله تعالى فى القلب''(۶۰)

(علم کثرت روایات کا نام نہیں علم تو ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ قلب میں پیدا فرما دیتے ہیں)

اور امام شافعیؒ علم کے نور ہونے کی بابت اپنے خیالات اشعار کی صورت میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

شكوت الى وكيع سوء حفظى فاوصانى الى ترك المعاصى
فان العلم نور من اله ونور الله لايعطى لعاصى(۶۱)

(میں نے اپنے استاد وکیعؒ سے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترک معاصی کی نصیحت کی۔ کیونکہ علم تو اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور کسی گناہ گار کو نہیں ملتا)

اس تقدس و نورانیت کے ماحول میں جب انسان حصولِ علم کیلئے کوششیں اور اپنی توانائیاں صرف کرتا ہے تو پھر اس پر فلاح و کامیابی کے تمام دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ''(۶۲)

(اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جنہیں علم عطا ہوا درجات بلند کرے گا)

آپ ﷺ کے فرمان مبارک کے مطابق وہی علم فضیلت کا مستحق ہے جو مفید اور نافع ہو۔ فرمایا:

''اشدالناس عذاباً يوم القيامة عالم لم ينفعه علمه''(۶۳)

(قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب اس عالم پر ہوگا جس کا علم اس کیلئے نفع کا ذریعہ نہ بنا ہو)

اسی طرح اگر حصول علم کا مقصد نیک نہیں تب بھی حاصل کردہ علم اور اس کی محنت اکارت جائے گی۔ فرمایا:

''من طلب العلم ليجارى به العلماء اوليمارى به السفهاء اويصرف به وجوه الناس اليه ادخله الله النار''(۶۴)

(جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے علماء پر اپنا رعب جمائے یا بے وقوفوں سے جھگڑا کرے یا اپنی طرف لوگوں کی توجہ حاصل کرے تو اللہ اسے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا)

لیکن اگر نیت صاف اور ارادے نیک ہوں تو علم کے طالب کو یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''ان اللہوملائکته واھل السموات والارض حتی النملةفی جحرھا وحتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر''(٦٥)

(بلاشبہ اللہ اوراس کے فرشتے اورآسمان اورزمین کی تمام مخلوقات حتی کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اورمچھلیاں (پانی میں) لوگوں کوبھلائی کی تعلیم دینے والوں کیلئے دعائے خیرکرتی ہیں)

یہاں ''خیر (بھلائی) کی تعلیم'' میں فلاح انسانیت کے تمام پہلوؤں کی جانب اشارہ فرمادیا گیاہےاورایک روایت میں فرمایا:

''ان مثل علم لاینفع به کمثل کنز لاینفق فی سبیل اللہ''(٦٦)

(ایسےعلم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے (نہ دوسروں کواس کی تعلیم دی جائے اورنہ انسان اس علم کے مقتضاپرخودعمل پیراہوں) ایسےخزانے کی سی ہے جس سے اللہ کے راستے میں کچھ خرچ نہ کیا جائے)

دوسری جانب مغرب کاعلم کے بارے میں کیانظریہ ہےاوران کے ہاں حصولِ علم کے اغراض ومقاصدکیاہیں؟اس بارے میں صرف دواقوال ملاحظہ کیجئے:

It denotes an attempt on the part of the adult members of human society to shape the develolpment of the coming generation in accordance with its own ideals of life.(67)

(علم کسی انسانی معاشرے کے سمجھ بوجھ رکھنے والے افرادکی ان کوششوں کانام ہے جو وہ اپنے تصوراتِ حیات کے مطابق اپنی آئندہ نسل کی ترقی کی تشکیل کیلئے کرتی ہیں)

J.S.Mills نے مزیدسہل الفاظ میں علم کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے:

Every effort which helps to shape the human beings....... deliberate direction and training.(68)

(ہروہ کوشش علم ہے جوانسانوں کی ترقی کی تشکیل میں ممدومعاون ہویعنی شعوری رہنمائی اورتربیت کاعمل ہے)

یعنی اخروی فلاح وکامیابی کاتوذکرہی نہیں-دنیاوی اعتبارسےبھی صرف اپنے تصورِحیات کوترقی کی اساس قراردیاجارہاہے-حالانکہ انسانوں کی آرامیں باہم جوتفاوت ہےوہ محتاجِ بیان نہیں-پھران کوبنیادبناکرکی جانے والی کوششیں (جن کاباہم ٹکراتایقینی وبدیہی ہے) کیونکربارآوراورکامیاب

ثابت ہوسکتی ہیں؟ ان کا نتیجہ مزید انتشار واضطراب کی صورت میں نہیں نکلے گا تو اور کیا ہوگا؟

اجتماعیت

اسلام اجتماعیت پسند مذہب ہے اور وہ اتحاد واتفاق کا داعی ہے- وہ امۃ واحدہ کا علمبردار ہے اس کی نظر میں کسی قسم کا امتیاز کوئی حیثیت نہیں رکھتا- اگر دنیاوی فرقوں اور گروہوں کی کوئی حیثیت ہے تو صرف اس قدر قرآن کریم کے الفاظ ہیں:

''یٰاَیُّهَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنٰكُم مِنْ ذَكَرٍوَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۤىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ''(۶۹)

(اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو- بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے)

اجتماعیت ہر معاشرے کی بنیادی ضرویات میں سے ایک ہے کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے- اس لئے ہر شخص کسی نہ کسی درجے میں دوسرے افراد کا محتاج نظر آتا ہے اور آج کے ترقی یافتہ دور میں تو اس کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی کہ ہر شخص اپنے روزمرہ کے امور کی انجام دہی میں دوسرے افراد سے تعاون حاصل کرے- اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ اجتماعیت انسان کی فطری خواہش اور ضرورت ہے- اسلام اس ضرورت کو اس کے مقام پر رکھتا ہے اور اس خواہش کی تہذیب کرکے اسے انسانیت کی فلاح کیلئے کام میں لاتا ہے- آپ ﷺ کی تعلیمات اس سلسلے میں بھی بہت واضح ہیں-

آپ ﷺ نے اجتماعیت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ افتراق کی بھی بھرپور مذمت فرمائی ہے کیونکہ افتراق کی نفی اجتماعیت کا احیا ہے- قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْادِیْنَهُمْ وَكَانُوْاشِیَعًالَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَاكَانُوْایَفْعَلُوْنَ o''(۷۰)

(جن لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور وہ بہت سے فرقے ہو گئے تو آپ کو ان کی کسی بات سے بھی کچھ سروکار نہیں- ان کا معاملہ اللہ تعالی کے سپرد ہے- پھر وہ ان کو بتادے گا کہ جو کچھ وہ کرتے تھے)

حضور اکرم ﷺ نے اتحاد واتفاق اور اجتماعیت پر زور دیتے ہوئے اور افتراق کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

''من فارق الجماعة قيدشبر فقدخلع ربقةالاسلام من عنقه''(۷۱)

(جس شخص نے بالشت بھر بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کی اس نے پانی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی)

ایک روایت کا آخری حصہ ہے:

"فایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ والمسجد" (۷۲)

سو مختلف گھاٹیوں سے (مختلف گروہ بازی سے) بچنا اور جماعت اور عام لوگوں کو اختیار کرو اور مسجد سے تعلق استوار کرو)

اور ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان اللہ لایجمع امتی اوقال امۃ محمد ﷺ علی ضلالۃ ویداللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ الی النار" (۷۳)

(بیشک اللہ میری امت کو یا فرمایا امتِ محمد ﷺ کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا اور اللہ کا ہاتھ (اس کی حمایت) جماعت پر ہے اور جو جماعت سے جدا ہو وہ دوزخ میں جا گرا)

آپ ﷺ نے تو اتحاد و اجتماعیت کی اس حد تک تاکید فرمائی کہ ایک شخص کے تنہا سفر کرنے کی بھی ممانعت فرمائی۔ کم از کم دو افراد کا حکم فرمایا۔ اس میں جہاں دوسرے مصالح پیش نظر تھے وہیں اجتماعیت کی تعلیم دینا بھی پیش نظر تھا۔ حضرت عمرؓ سے آپ ﷺ کا ایک خطبہ منقول ہے۔ اس میں آپ ﷺ نے یہ الفاظ بھی فرمائے:

"من احب منکم بحبوحۃ الجنۃ فعلیہ بالجماعۃ فان الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین ابعد" (۷۴)

(تم میں سے جو شخص جنت کے خاص درمیان کی خواہش رکھتا ہے اسے چاہیے کہ جماعت کی پیروی کرے کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور بھاگتا ہے)

آپ ﷺ کی تعلیمات کا بیشتر حصہ نہ صرف اتحاد و اتفاق کی برکات سے انسانیت کو فیض یاب کرتا ہے بلکہ اسلام کا نظام عبادات مکمل طور پر اتحاد و یکجہتی اور اتفاق و اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے۔ نماز سے لے کر حج تک تمام عبادات کی انجام دہی کا صحیح اور مسنون طریقہ اتحاد کی بھی علامت ہے اور اجتماعیت کی بھی۔

نظام زکوٰۃ

نظام زکوٰۃ اسلام کی ان گنت خصوصیات میں سے ایک ہے۔ اس کی افادیت ہمہ جہت ہے۔ اس کا ایک پہلو جو معاشرتی اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ یہ کہ اس سے دولت پرستی

اور حب مال کے سنگین مرض کی بیخ کنی ہوتی ہے جو معاشرے میں اتحاد و اتفاق کیلئے بھی سدِ راہ ہے اور مساوات کا بھی عملی دشمن ہے- زکوٰۃ سے ایک طرف تو ضرورت مند اور پریشان حال افراد کی ضروریات کا ایک بڑا حصہ پورا ہوتا ہے- دوسری جانب اس سے غربا کے دلوں میں بھی معاشرے کی اہمیت اور اجتماعیت کے فوائد کا احساس پیدا ہوتا ہے- انسانیت کی فلاح و بہبود کیلئے آنخضرت ﷺ کا یہ ایک بڑا کارنامہ ہے- کیونکہ اس نظام کے داعی اور بانی آپ ﷺ ہی ہیں- آپ ﷺ سے پہلے اس کا کوئی تصور نہ تھا- اس نظام پر عمل پیرا ہونے کا ثمرہ انسانیت کو اس صورت میں ملا کہ اسلامی دورِ حکومت پر ایک دور ایسا بھی آیا جب زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے صاحب حیثیت افراد ہاتھوں میں زکوٰۃ لئے مستحق کی تلاش میں سرگرداں پھرتے تھے اور انہیں کوئی مستحقِ زکوٰۃ تو کجا کوئی ایسا شخص بھی نہیں ملتا تھا جو زکوٰۃ لینے کے استحقاق کا فقط دعوے دار ہی ہوتا-

آپ ﷺ کے پیش فرمودہ اس نظام زکوٰۃ کا تعلق بھی انسانیت کی فلاح کے دونوں پہلوؤں سے ہے- دنیاوی اعتبار سے تو اس کے فوائد وثمرات سے انکار کسی کیلئے بھی ممکن نہیں- اخروی لحاظ سے بھی اس کے فوائد بے شمار ہیں-

زکوٰۃ کو اسلام نے پاکی اور صفائی کا سبب قرار دیا ہے- قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

''خُذْمِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا'' (۷۵)

(ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کریں اور اس طرح انہیں پاک اور صاف کریں)

آپ ﷺ نے بھی اسے مال کی پاکیزگی کا ذریعہ قرار دیا ہے- حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''من ادی زکوٰۃ ماله فقدذهب عنه شره'' (۷۶)

(جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی تو اس کے مال کا شر اس سے رفع ہوگیا)

اور ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے- آپ ﷺ نے فرمایا:

''حصنوا اموالكم بالزكوٰة وداووا مرضاكم بالصدقة واعدوا للبلاء الدعاء'' (۷۷)

(اپنے اموال کی حفاظت کرو زکوٰۃ کے ذریعے اور اپنے مریضوں کی دوا کر صدقے کے ذریعے اور بلاؤں اور مصائب کو دور کرو دعا کے ذریعے)

زکوٰۃ کی ان برکات اور فوائد ہی کے پیش نظر آپ ﷺ نے زکوٰۃ کی ادائیگی کو اسلام کی تکمیل کا باعث قرار دیا- صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''ان تمام اسلامکم ان تؤدوا زکوٰۃاموالکم''(۷۸)

(تمہارے اسلام کی تکمیل میں سے یہ بات بھی ہے کہ تم اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو)

آپ ﷺ کے عطافرمودہ نظام زکوٰۃ کا اور قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ انسان جب اپنی محنت سے کمائے ہوئے مال میں سے صرف اللہ کے حکم سے اس کے نام پر ایک مخصوص حصہ نکالتا ہے تو وہ نماز' روزے کی طرح اللہ تعالی کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کا عملی مظاہرہ کرتا ہے جس کو وہ اس سے پہلے قلبی طور پر تسلیم کرکے زبان سے اس کا اقرار کرچکا ہے اور پھر جس طرح حالتِ نماز میں سجدہ غایت تذلل کی علامت ہے اس لئے انتہائی پسندیدہ اور نماز کا اہم ترین رکن ہے- اسی طرح محنت ومشقت سے کمائے ہوئے مال میں سے سال کے سال فقط حکمِ خداوندی پر ایک حصہ نکال دینا اس غایت درجے کے تذلل سے کم نہیں-

آنحضرت ﷺ کی ان تعلیمات کا نتیجہ یہ ہے کہ افراد کی خودغرضانہ سوچ اور صرف ان کی اپنی ذات تک محدود رہنے والے فوائد ومراعات کا تصور مٹتا چلا جاتا ہے اور ان کے اندر اجتماعی سوچ بیدار ہوتی ہے- ہر فرد تمام معاملات کو اجتماعی نظر سے دیکھنے لگتا ہے اور ہر ایک کی بھلائی اور خیروفلاح کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کی تمام تر سرگرمیاں فلاحِ انسانیت کیلئے وقف ہوجاتی ہیں-

خلاصہ کلام

آنحضرت ﷺ نے فلاح انسانیت کیلئے جن نکات پر زور دیا ہے اور جو طریقہ کار عطا فرمایا ہے ان کے بعض پہلوؤں پر مختصر گفتگو کی گئی- نیز یہ بھی واضح ہوا کہ اسلام کی نظر میں فلاح کا تعلق انسانی زندگی کے دونوں حصوں دنیا اور آخرت دونوں سے ہے اور حیات انسانی اور انسانی زندگی سے وابستہ اہم معاملات پر مغرب اور اسلام کی آرا کے تقابل سے ان میں موجود باہمی تفاوت بھی سامنے آیا- یہ تمام امور اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ ﷺ کی تعلیمات ہی حقیقی معنی میں مکمل فلاح وکامرانی کی ضامن ہیں اور ان پر عمل پیرا ہوکر ہی اس عالمِ آب وگل کو صحیح معنی میں انسانیت کیلئے فلاحی مقام میں تبدیل کیا جاسکتا ہے-

ضرورت ان تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر غوروفکر کے بعد ان کی روح کے مطابق ان پر عمل پیرا ہونے کی ہے- اللہ تعالی علم وعمل میں تفاوت دور فرمائے اور ہمارا حامی وناصر ہو-

وصلی اللہ تعالی علی نبینا محمد والہ واصحابہ ومن تبعھم اجمعین باحسان الی یوم الدین — وماعلیناالاالبلاغ المبین

☆☆☆☆☆☆

مصادر و حواشی

۱۔ القرآن، سورۃ روم آیت: ۳۰

۲۔ ابوداؤد/ السنن/ بیروت، دارالفکر ۹۴ء/ص ۲۴۰ ۃ ج ۴

☆ حمیدی/ المسند/ رقم ۱۱۱۳ - ابویعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی/ المسند/ بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۹۸ء/ص ۴۳۱/ رقم ۶۲۷۶/ ج ۵

۳۔ لوئیس معلوف/ المنجد/ مطبع کاثولکیہ، بیروت، طبع عاشرہ، ۱۹۴۷ء/ص ۱۷

۴۔ ابن منظور/ لسان العرب/ نشر ادب الحوزہ، قم ایران، ۱۴۰۵ھ/ ج ۶ ص ۱۰

۵۔ راغب اصفہانی م ۵۰۲ھ/ المفردات/ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۶۱ء/ص ۲۸

۶۔ ایضاً

۷۔ لوئیس معلوف/ المنجد/ص ۱۷

۸۔ قرآن کریم میں لفظ انسان ۲۶ مقامات پر، انسانِ دس جگہ، انسان ایک بار اور انسانُ ۲۶ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ دیکھئے سید فضل الرحمٰن/ معجم القرآن/ ادارہ مجددیہ، کراچی، دوسرا ایڈیشن/ص ۸۷

۹۔ القرآن، سورہ اسراء آیت: ۱۱

۱۰۔ القرآن، سورہ کہف آیت: ۵۴

۱۱۔ ابن منظور/ لسان العرب/ ج ۶ ص ۱۰

۱۲۔ سید فضل الرحمٰن/ معجم القرآن/ص ۴۳۲، مجموعی طور پر لفظ ناس قرآن کریم میں ۲۴۰ مرتبہ آیا ہے۔

۱۳۔ ابن منظور/ لسان العرب/ ج ۲/ص ۵۴۷

☆ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی/ مختار الصحاح/ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۵۰ء/ص ۵۳۵

☆ ابویعلی/ المسند/ ج ۶/ص ۲۹۸، رقم ۷۷۴۷

۱۴۔ راغب اصفہانی/ المفردات/ص ۳۸۵

۱۵۔ زبیدی/ تاج العروس، بہ ذیل مادہ ف، ل، ح

۱۶۔ بخاری/ الصحیح، کتاب مناقب الانصار، باب دعا النبی ﷺ اصلح الانصار والمھاجرۃ، رقم ۳۷۹۵

☆ ابن الحجر/ فتح الباری/ ج ۷/ص ۱۴۹

۱۷۔ القرآن، سورہ عنکبوت، آیت: ۶۴

۱۸۔ مفلحون قرآن کریم میں ۱۲ مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً بقرہ آیت ۵، آل عمران آیت ۱۰۴، اور اعراف آیت ۸/ معجم القرآن/ص ۴۱۶

۱۹۔ لسان العرب/ ج ۲/ص ۵۴۷

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ احمد بن حنبل/ المسند/ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۹۳ء/ ج ۴/ص ۵۴۷/ رقم ۱۵۵۹۳

۲۲۔ القرآن' سورہ بقرہ' آیت ۲۰۰

۲۳۔ ابویعلی/ المسند/ ج ۳/ص ۲۲۵' رقم ۳۴۴۲

☆ بخاری/ الادب المفرد/ رقم ۲۸۷

۲۴۔ القرآن' سورہ مومنون' آیت ۱ تا ۵

۲۵۔ القرآن' سورہ اعلیٰ' آیت ۱۴-۱۵

۲۶۔ پروفیسر سید محمد سلیم/ مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ/ ادارہ تعلیمی تحقیق' لاہور ۱۹۸۱/ص ۵۵

27- Bertrand Russell/History of European Philosophy/p-816.

28- Bertrand Russell/Man in the Modern world. Newyork,P-131.

29- Quoted By C.A Couls on/Science and Christian/P-4

۳۰۔ القرآن' سورہ بقرہ' آیت ۲۹

۳۱۔ القرآن' سورہ قصص' آیت ۸۳

۳۲۔ القرآن' سورہ تین' آیت ۴

۳۳۔ القرآن' سورہ مائدہ' آیت ۳۲

۳۴۔ ابن الحجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) فتح الباری' قدیمی کتب خانہ کراچی' ج ۱۲' ص ۲۳۶

۳۵۔ محمد بن اسماعیل البخاری' الصحیح' کتاب الدیات' باب قول اللہ تعالیٰ "ومن احیاھا....."

۳۶۔ ایضاً' کتاب الدیات' باب من طلب' دم امری بغیر حق'

۳۷۔ احمد بن حنبل' المسند' ج ۳' ص ۵۸' رقم ۸۵۹۴' یہ طویل روایت کا حصہ ہے' مکمل روایت اس طرح ہے:

"عن ابی ھریرۃؓ ان النبی ﷺ وقف علی ناس جلوس فقال !الااخبرکم بخیرکم من شرکم؟ فسکت القوم فاعادھاثلاث مرات 'فقال رجل من القوم !بلی یارسول اللہ قال: خیرکم من یرجی خیرہ ویؤ من شرہ 'وشرکم من لایرجی خیرہ ولایومن شرہ"

۳۸۔ القرآن' سورہ بقرہ' آیت ۲۱۷

۳۹۔ احمد حنبل' المسند' ج ۴ ص ۵۴۷' رقم ۱۵۵۹۳

۴۰۔ محمد یوسف الصالحی الشامی' سبل الھدیٰ والرشاد (سیرت شامی) دار الکتب العلمیہ' بیروت ۹۳ء

ج ۷، ص ۱۴

۴۱۔ ابو حامد محمد بن الغزالی، احیاء علوم الدین، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۳۹ء، ج ۳، ص ۵۲

۴۲۔ امام مالک بن انسؒ، الموطاء، میر محمد کتب خانہ کراچی، باب حسن الخلق

۴۳۔ نور الدین علی بن ابوبکر الھیثمی، مجمع الزوائد، دار الفکر، بیروت، ۹۴ء، ج ۸، ص ۴۷۵، رقم ۱۴۱۸۸

۴۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ج ۱ص، ۶۶۵

۴۵۔ مسلم، الصحیح، ج ۱ص ۲۳۴، رقم ۷۷۱، عن علی بن ابی طالبؓ یہ ایک طویل روایت کا حصہ ہے۔

۴۶۔ محمد بن سعد، الطبقات، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۹۷، ج ۱ص ۲۷۳

۴۷۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد، باب ۴۸، رقم ۲۶۷

۴۸۔ القرآن، سورہ قلم آیت: ۴

۴۹۔ شامی، سبل الھدی والرشاد، ج ۷، ص ۱۳

۵۰۔ ابوداؤد، السنن، دار الفکر، بیروت، ۹۴ء، ج ۴، ص ۲۲۸، رقم ۴۶۸۲، عن ابی ہریرہؓ

☆ احمد، المسند، ج ۲، ص ۴۹۳، رقم ۷۳۵۴

☆ حاکم، المستدرک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۹۰ء، ج ۱، ص ۴۳، رقم ۱

۵۱۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱۲۸، رقم ۱۹۹

☆ احمد، المسند، ج ۷، ص ۲۶۸، رقم ۲۵۰۱۰

۵۲۔ احمد، المسند، ج ۵، ص ۲۱۵، رقم ۱۷۲۷۸

☆ ہیثمی، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۴۶، رقم ۱۲۶۶۵، عن ابی ثعلبہؓ

☆ ابن حبان، الصحیح، مؤسسۃ الرسالۃ، ج ۲، ص ۲۰۱، رقم ۴۸۲

53- The Universal almanac edited by John W.wiright universal press syndicate co missourt USA 1996 page-281

54- The Social experience: an introduction to so ciology by james W.Vander Zanden Random House New York 1988 page-335,352-362.

۵۵۔ ھیثمی، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۱۶۳، رقم ۲۲

۵۶۔ القرآن، سورہ حجرات، آیت ۱۳

۵۷۔ ترمذی، الجامع السنن، ج ۳، ص ۲۳۲، رقم ۱۶۲۷

۵۸۔ القرآن، سورہ بقرہ، آیت ۳۰-۳۱

۵۹۔ القرآن سورہ عنکبوت، آیت ۴۳

۶۰۔ سید محبوب حسن واسطی، ششماہی "السیرۃ العالمی" مدیر سید فضل الرحمٰن ناشر زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، کراچی، شمارہ ۳، ربیع الاول ۱۴۲۱ھ/ جون ۲۰۰۰ء، ص ۸۰

۶۱۔ ایضاً، ص ۸۱

۶۲۔ القرآن سورہ مجادلہ، آیت ۱۱

۶۳۔ ھیثمی، مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۴۴۰، رقم ۸۷۲

۶۴۔ ترمذی، الجامع السنن، دار الفکر ۹۴، ج ۴، ص ۲۹۸، رقم ۲۶۶۳، عن کعب بن مالکؓ

☆ ھیثمی، مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۴۳۸، رقم ۸۶۴۰

۶۵۔ ترمذی، الجامع السنن، ج ۴، ص ۳۱۴، رقم ۲۶۹۴، عن ابی امامۃ الباھلیؓ

۶۶۔ احمد، المسند، ج ۳، ص ۲۹۰، رقم ۱۰۰۹۸، عن ابی ھریرۃؓ

☆ ارمی، السنن، قدیمی کتب خانہ کراچی، ج ۱، ص ۱۴۸، رقم ۵۵۶

67- Encyclopaedia Britannica(1768) Vol-7, P.964

68- Encyclopaedia Britannica(1768) Vol-7, P.964

۶۹۔ القرآن، سورہ حجرات، آیت ۱۳

۷۰۔ القرآن سورہ انعام، آیت ۱۵۹

۷۱۔ ابوداؤد، السنن، ج ۴، ص ۲۵۵، رقم ۴۷۵۸، عن ابی ذرؓ

۷۲۔ احمد، المسند، ج ۶، ص ۳۰۷، رقم ۲۱۵۲۴، عن ابی معاذ بن جبلؓ

۷۳۔ ترمذی، الجامع السنن، ج ۴، ص ۶۸، رقم ۲۱۷۳

☆ حاکم، المستدرک، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۹۰ء، ج ۱، ص ۲۲۰، رقم ۳۹۱، اس میں فاتبعوا السواد الاعظم کے الفاظ زائد ہیں۔

۷۴۔ مستدرک، ایضاً، ص ۱۹۹، رقم ۳۹۰

۷۵۔ القرآن، سورہ توبہ، آیت ۱۰۳

۷۶۔ ھیثمی، مجمع الزوائد، ج ۳ ص ۲۰۰، رقم ۴۳۳۴

۷۷۔ ایضاً، ص ۲۰۱، رقم ۴۳۳۶

۷۸۔ ایضاً، ص ۱۹۸، رقم ۴۳۲۶